چند قواعد فقہیہ کی وضاحت

علامہ ابوالعرفان محمد انور مگھالوی

(قسط نمبر ۱۲)

قاعدہ نمبر ۷۵:

"اَلْاِنْتِقَالُ مِنَ الْحُرْمَةِ اِلَی الْاِبَاحَةِ يُشْتَرَطُ فِيْهِ اَعْلَی الرُّتَبِ وَالْاِنْتِقَالُ مِنَ الْاِبَاحَةِ اِلَی الْحُرْمَةِ يَكْفِيْ فِيْهِ اَيْسَرُ الْاَسْبَابِ"

(حرمت سے اباحت کی طرف منتقل ہونے کے لئے اعلیٰ اور قوی اسباب کا موجود ہونا شرط ہے اور اباحت سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کے لئے آسان اور خفیف اسباب ہی کافی ہوتے ہیں یعنی کوئی حرام شئی تب تک مباح نہیں ہوسکتی جب تک انتہائی مضبوط اور قوی اسباب وعلل موجود نہ ہوں مگر اس کے برعکس مباح چیز کو حرام قرار دینے کے لئے اتنے قوی اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی)۔

مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنا اور اس کا ناحق خون بہانا حرام ہے اور یہ حرمت ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ مگر جب ایک مسلمان دوسرے کو عمداً قتل کر دیتا ہے اور اس کا خون ناحق بہا دیتا ہے، تو اب قاتل کا وہ خون جو پہلے حرام تھا وہ قصاصاً بہانا صرف مباح ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتا ہے تو اس میں قاتل کے حرام خون کو مباح بنانے کا سبب اس کا عمداً اور عدواناً فعل قتل کا ارتکاب ہے اور اباحت کے لئے یہ انتہائی مضبوط اور قوی سبب ہے۔ مگر اس اباحت کو حرمت میں بدلنے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ قاتل مقتول کے ورثاء سے معافی مانگ لے یا پھر مقتول کے ورثاء مال کے عوض اس سے صلح کرلیں تو اتنے کام سے قاتل کا مباح خون پھر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گا اور یہ پہلے کے مقابلہ میں انتہائی خفیف سبب ہے۔ قصاص کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝"

(البقرۃ:۱۷۸،پ:۲)

(اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے جو (ناحق) مارے جائیں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پس جس کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کوئی چیز معاف کر دی جائے تو چاہئے کہ (مقتول کا وارث) دستور کے مطابق خون بہا طلب کرے اور قاتل کو چاہئے) کہ اسے اچھی طرح ادا کرے یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت ہے اور رحمت ہے تو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۲۔ حرام خون کے مباح ہونے کا دوسرا سبب شادی شدہ ہونے کے باوجود فعل زنا کا ارتکاب کرنا ہے۔ اگر کسی نے یہ غلیظ عمل کیا تو اس کی شرعی سزا رجم ہے جس کے ساتھ وہ مر جائے تو یہ فعل شنیع اباحۃ الدم کا انتہائی قوی سبب ہے مگر اس کے برعکس اس مباح خون کو دوبارہ حرام بنانے کے لئے صرف زانی کا اپنے اقرار سے رجوع ہی کافی ہے اور یہ پہلے کے مقابلے میں انتہائی خفیف سبب ہے۔

۳۔ اگر ایک مسلمان اپنا دین چھوڑ کر مرتد ہو جائے تو اس سے اس کا حرام خون مباح ہو جاتا ہے اور اسے قتل کرنا جائز ہوتا ہے اور ارتداد اباحۃ الدم کے لئے بہت قوی سبب ہے مگر اس کے برعکس اس اباحت کے حرمت میں تبدیل ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ تائب ہو کر از سر نو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے اور یہ سبب پہلے کے مقابلہ میں خفیف ہے۔

۴۔ اجنبی عورت سے مقاربت حرام ہے مگر جب گواہوں کی موجودگی میں مہر کے عوض عقد نکاح ہو جائے تو وہ حرمت حلت میں بدل جاتی ہے اور اس سے کلی استمتاع جائز ہو جاتا ہے گویا اس حلت کا سبب ایجاب وقبول، گواہوں کا موجود ہونا اور حق مہر ہے اور یہ انتہائی قوی سبب ہے۔

مگر اس کے برعکس اگر وہی خاوند اسے طلاق دے دے تو فوراً اس کی حلت حرمت میں بدل جاتی ہے اور پہلے کے مقابلہ میں یہ سبب خفیف ہے۔" واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر ۷۶:

"لَا يَجُوزُ اِثْبَاتُ الْحُدُوْدِ مِنْ طَرِيْقِ الْقِيَاسِ وَاِنَّمَا طَرِيْقُ اِثْبَاتِهَا التَّوْقِيْفُ"

(قیاس کے ذریعے حدود کو ثابت کرنا جائز نہیں ہوتا بلکہ ان کے اثبات کا ذریعہ توقیفی ہوتا ہے)

یہ قول علماء احناف اور ان کے متبعین کا ہے۔

مذکورہ قاعدہ کا مفہوم یہ ہے کہ حدود کے اثبات کے لئے قرآن، حدیث اور اجماع میں سے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے صرف قیاس کے ذریعے حد ثابت نہیں ہوسکتی۔

حد کی تعریف:

"اَلْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ يَجِبُ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالٰى" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۷۶)

(حد وہ مقررہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے لازم ہوتی ہے)۔

بالفاظِ دیگر حد اس مخصوص سزا کا نام ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر ہوتی ہے اور اپنی رائے سے اس میں کمی وبیشی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے ثبوت کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے جو قطعی ہو اور تمام شکوک وشبہات سے پاک ہو اور محققین کے نزدیک ایسی دلیل قرآن، حدیث اور اجماع ہے جبکہ ان کے مقابلہ میں قیاس دلیل ظنی ہے اور وہ حد کے ثبوت کے لئے کافی نہیں جیسا کہ "نورالانوار" میں ہے:

"صَحَّ اِثْبَاتُ الْحُدُوْدِ وَالْكَفَّارَاتِ بِدَلَالَةِ النُّصُوْصِ دُوْنَ الْقِيَاسِ لِأَجْلِ أَنَّ الدَّلَالَةَ قَطْعِيَّةٌ وَّالْقِيَاسُ ظَنِّيٌّ يَصِحُّ اِثْبَاتُ الْحُدُوْدِ وَالْكَفَّارَاتِ بِالْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ" (نورالانوار، ص ۱۵۳)

(حدود اور کفارات کو دلالۃ النصوص کے ساتھ ثابت کرنا صحیح ہے نہ کہ قیاس

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود وترمذی)

کے ساتھ۔ اس لئے کہ نصوص کی دلالت قطعی ہوتی ہے اور قیاس کی دلالت ظنی ہوتی ہے اس لئے حدود اور کفارات کا اثبات اول (دلالۃ النصوص) کے ساتھ صحیح ہوتا ہے اور ثانی (قیاس) کے ساتھ نہیں)۔

اس عبارت پر محشی لکھتے ہیں:

"فَاِنَّهٗ لَابُدَّ لِاِثْبَاتِ الْحُدُوْدِ وَالْكَفَّارَاتِ مِنْ دَلِيْلٍ قَطْعِيٍّ لِاَنَّهَا تُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ وَالْقِيَاسُ دَلِيْلٌ فِيْهِ شُبْهَةٌ" (نورالانوار، ص۱۵۳)

(بے شک حدود اور کفارات کے اثبات کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں اور قیاس ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہوتا ہے)۔

اس پر مزید ایک اعتراض و جواب بایں الفاظ ذکر کرتے ہیں:

"فَاِنْ قِيْلَ اِنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ ظَنِّيٌّ فِيْهِ شُبْهَةٌ مَّعَ اِنَّهٗ يَثْبُتُ بِهِ الْحُدُوْدُ وَالْكَفَّارَاتُ"

(اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے اس میں شبہ پایا جاتا ہے اس کے باوجود اس سے حدود اور کفارات ثابت ہوتے ہیں)۔

تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ دلیل قیاس ظنی ہے اس میں شبہ پایا جاتا ہے اس لئے اس سے حدود ثابت نہیں ہو سکتیں؟

"قُلْتُ اِنَّ الشُّبْهَةَ فِيْهِ اِنَّمَا هُوَ فِيْ طَرِيْقِ ثُبُوْتِهٖ لَا فِيْ اَصْلِهٖ فَاِنَّهٗ فِي الْاَصْلِ مِنَ السُّنَّةِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فَاِنَّ فِيْ اَصْلِهٖ شُبْهَةً"

(مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے فرمایا کہ خبر واحد میں شبہ اس کے طریقہ ثبوت میں ہے۔ (یعنی شبہ اس کی سند میں ہے) نہ کہ اسکی اصل میں کیونکہ اصل میں تو وہ سنت ہے مگر اسکے برعکس قیاس کی اصل میں شبہ ہے)

تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ خبر واحد کو قیاس پر قیاس کرتے ہوئے حدود کے اثبات کے ذرائع سے نکالا نہیں جا سکتا اور نہ ہی قیاس سے خبر واحد کی بناء پر حدود ثابت کی جا سکتی ہیں اب آیئے دیکھیں کہ کون سی حدود قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور کون سی اجماع امت سے تو جاننا چاہئے کہ حدود چار ہیں۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

(۱)حد زنا (۲) حد قذف (۳) حد سرقہ (۴) حد شرب۔ ان میں سے پہلی تین قرآن وسنت سے ثابت ہیں اور آخری حد شرب اجماع صحابہ سے ثابت ہے ہر ایک کا بیان درج ذیل ہے۔

ا۔حد زنا:

رب کریم قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○"

(جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درے لگاؤ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں ان دونوں پر (ذرا) رحم نہ آئے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہئے کہ اہل ایمان کا ایک گروہ دونوں کی سزا کا مشاہدہ کرے)۔

تمام افعال بد میں سب سے زیادہ قبیح اور غلیظ عمل زنا کا ارتکاب ہے کیونکہ اس سے شرم و حیاء کی چادر تار تار ہو جاتی ہے ہر رذیل حرکت کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے۔ اور غیرت وحمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے اس لئے پروردگار عالم نے اس فعل شنیع کی ایسی شدید اور عبرتناک سزا تجویز فرمائی جس میں کسی نوعیت کی نرمی برتنے کا اختیار نہیں دیا گیا، یہ سزا مرد وعورت ہر دو کے لئے مساوی ہے، جنسی تفاوت کے باوجود سزا میں تفاوت نہیں رکھا گیا البتہ مرد وزن کی نوعیت مختلف ہونے کی بناء پر سزا بھی مختلف تجویز کی گئی ہے۔ یعنی شادی شدہ کی سزا رجم ہے اور غیر شادہ شدہ کی سزا سو کوڑے ہیں۔ گو تصوراتی طور پر یہ سزائیں انتہائی اذیت ناک ہیں مگر ایسی سزا جس کے نفاذ کے باوجود مجرم کو اپنے کئے کا احساس نہ ہو اور دیکھنے والوں کے لئے اس میں درس عبرت نہ ہو وہ کیسی سزا ہے؟ بلکہ اسے تو سزا کا نام دینا بھی زیادتی کے مترادف ہے۔ یہ شرعی سزاؤں کا طرۂ امتیاز ہے کہ اگر انہیں کماحقہ اپنایا جائے تو پھر مجرم کو آئندہ ارتکاب جرم کی جرأت نہیں ہوتی اور دیکھنے والے اس مہیب منظر کا نظارہ کرنے کے بعد ایسے جرائم کا نام لینے سے بھی گھبراتے ہیں۔

چونکہ یہ سزا انتہائی شدید اور سنگین ہے اس لئے اس کے ثبوت کا طریقہ کار بھی انتہائی محتاط

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابوعبید) ☆☆☆

ہے، ہر عامی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ جب چاہے کسی کے خلاف بیان بازی کر کے اسے یہ سنگین سزا دلوا دے۔ شریعت نے اسے ثابت کرنے کے لئے دو طریقے مقرر کئے ہیں۔

(ا) اقرار، (۲) شہادت۔

ا۔ اقرار:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم بنفسہ قاضی کے پاس حاضر ہو کر اپنی زبان سے فعل زنا کے ارتکاب کا چار مرتبہ اقرار کرے جیسا کہ ماعز بن مالک اسلمی نے بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا رخ زیبا دوسری سمت پھیر لیا اور فرمایا:

"وَيْحَكَ اِرْجِعْ اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ"

(اے جوان واپس چلا جا اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کر)

جب اس نے تیسری بار اقرار کر لیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے متنبہ کیا کہ اگر تو نے چوتھی بار بھی اقرار کر لیا تو تجھے رجم کر دیا جائے گا مگر اس نے چوتھی بار بھی کہہ دیا: "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ زَنَيْتُ" (یارسول اللہ میں نے برائی کا ارتکاب کیا ہے) مجھے پاک فرما دیجئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ غَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ" (شاید تو نے فقط بوسہ لیا ہو یا صرف نظر بازی کی ہو) مگر وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَبِكَ جُنُوْنٌ" (کیا تو مجنون ہے) اس نے کہا "لَا" ایسا نہیں۔ پھر فرمایا: "هَلْ أَحْصَنْتَ" (کیا تو شادی شدہ ہے) اس نے کہا "نَعَمْ" جی ہاں! "فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجِمُوْهُ" (تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسے لے جاؤ اور رجم کر دو) (عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۹۲) (ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۲۸۹)

۲۔ شہادت:

اس فعل شنیع کے ثبوت کا دوسرا ذریعہ شہادت ہے مگر دیگر معاملات کے برعکس چونکہ یہ فعل انتہائی رسوا کن اور شرمناک ہے اس پر مرتب ہونے والی سزا انتہائی سنگین ہے اس لئے اس کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے دو کی بجائے چار ایسے گواہ پیش کرنے ضروری ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی

آنکھوں سے مرد اور عورت کو اس حالت میں دیکھا ہو "کالمیل فی المکحل" (جیسے سلائی سرمہ دانی میں) "والرشاء فی البئر" (اور رسّی کنوئیں میں) ورنہ یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا اور پھر ان کی عدالت، کردار اور خصائل وغیرہ کے بارے سرّاً اور جہراً تحقیق کرنا قاضی کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔

رجم کی شرائط:

احناف کے نزدیک رجم کی سزا کیلئے مجرم میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) "(الحریة)" آزاد ہونا، (۲) "(العقل)" عقلمند ہونا، (۳) "(البلوغ)" بالغ ہونا (۴) "(الاسلام)" مسلمان ہونا، (۵) "(الوطی)" عمل وطی کا پایا جانا، (٦) "(الوطی بنکاح صحیح)" زانی کا اس سے قبل نکاح صحیح کے ساتھ اپنی بیوی سے وطی کر چکنا، (۷) "(کونهما محصنین)" زوجین کا محصن ہونا۔ (عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۹۰، شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۷۹، مظہری، ج ٦، ص ۴۲٦)

رجم کا ثبوت:

رجم کی سزا حدیث طیبہ سے ثابت ہے اور اس پر صحابہ کرام اور فقہائے امت کا اجماع ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ وَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اٰيَةَ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اُحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ النِّسَآءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَتِ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ" (مظہری، ج ٦، ص ۴۲۲)

(حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب (قرآنِ کریم) نازل فرمائی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر آیہ رجم بھی نازل فرمائی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم

نے بھی رجم کیا ایسے آدمی کے لئے کتاب اللہ کے حکم کے مطابق رجم کا حکم دینا حق ہے جس نے زنا کیا بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو چاہے مرد ہو یا عورت جبکہ اس کے خلاف گواہ قائم ہو جائیں یا وہ عورت (مزنیہ) حاملہ ہو جائے یا زانی اس کا اعتراف کرے)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں:

"اِذَا کَانَ الزَّانِیُ وَالزَّانِیَۃُ مُحْصِنَیْنِ یُرْجَمَانِ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَۃِ وَمَنْ بَعْدَھُمْ مِنْ عُلَمَآءِ النَّصِیْحَۃِ" (تفسیر مظہری، ج ۶، ص ۴۲۲)

(جب زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں محصن ہوں تو انہیں رجم کیا جائے گا اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد آنے والے علماء محققین کا اجماع ہے)۔

مزید فرماتے ہیں:

"قَالَ عُلَمَآءُ الْفِقْهِ وَالْحَدِیْثِ وَقَدْ جَرٰی عَمَلُ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ بِالرَّجْمِ مَبْلَغَ حَدِّ التَّوَاتُرِ" (مظہری، ج ۶، ص ۴۲۴)

(علماء فقہ وحدیث نے کہا ہے کہ خلفاء راشدین کا رجم پر عمل حد تواتر تک پہنچ چکا ہے)

زیر بحث قاعدہ کے مطابق احناف کے نزدیک حد زنا کتاب اللہ کی عبارۃ النص سے ثابت ہے اور اسی ضمن میں رجم کی سزا سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے لہٰذا اب اس فعل زنا پر قیاس کرتے ہوئے کسی اور فعل مثلاً لواطت وغیرہ کے لئے یہ حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی بذریعہ قیاس کسی کو اس میں کمی وبیشی کا اختیار ہے کیونکہ یہ ایک امر توقیفی ہے اور اس پر جوں کا توں عمل کرنا ضروری ہے۔

۲۔ حد قذف:

کسی پاک دامن انسان پر زنا کی تہمت لگانے کے عوض شرعاً جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ حد قذف کہلاتی ہے، چونکہ فعل زنا کی مثل کسی پاک دامن انسان پر زنا کی تہمت لگانا بھی حد درجہ کی غلیظ

حرکت ہے اس لئے خالق کائنات نے اس کی سزا بھی امام وقت کے سپرد نہیں کی بلکہ اپنی جناب خاص سے اس کے لئے ایسی فیصلہ کن اور سبق آموز سزا کا تعین کر دیا کہ اول تو ایسے جرم کے ارتکاب کی کسی کو جرأت ہی نہ ہو اور اگر کوئی ایسا کرے تو پھر یا تو اپنا دعویٰ چار شاہدوں کی عینی شہادت سے ثابت کرے یا پھر ایسی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے جس میں دیکھنے والوں کے لئے سامان عبرت موجود ہے رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

"وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝" (النور۴۔۵، پ۱۸)

(اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان (تہمت لگانے والوں) کو اَسی (۸۰) درے لگاؤ اور ہمیشہ کے لئے ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرنا اور وہی لوگ فاسق ہیں مگر ان میں سے وہ لوگ جو بہتان لگانے کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

حد قذف لگانے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ تہمت زنا کی لگائی جائے اور وہ بھی الفاظ صریح کے ساتھ ہو جیسے "زَنَیْتِ، یَازَانِیْ، لَسْتَ لِأَبِیْکَ" وغیرہ۔

یہ سزا صرف عورتوں کے ساتھ مختص نہیں جیسا کہ آیت میں موجود لفظ محصنت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلْمُرَادُ بِالْاِحْصَانِ هٰهُنَا بِاِجْمَاعِ الْعُلَمَآءِ اَنْ یَّکُوْنَ حُرًّا عَاقِلاً بَالِغًا مُسْلِمًا عَفِیْفًا غَیْرَ مُتَّهَمٍ بِالزِّنٰی" (مظہری، ج۶ ص۴۴۵)

(یعنی یہاں احصان کا معنی یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلم اور پاک دامن ہو اور اس پر زنا کی تہمت کبھی نہ لگائی گئی ہو)

"هکذا فی الکنز و شرح الوقایه" اگر مقذوف نے قاذف کے خلاف دو گواہوں کے ساتھ دعویٰ قذف ثابت کر دیا تو قاذف کو تین سزائیں دی جائیں گی۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

۱۔ اسے اسی (۸۰) درے لگائے جائیں۔

۲۔ آئندہ ہمیشہ کے لئے مالی حقوق میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

۳۔ اسے فاسق قرار دیا جائے گا۔ اگر بعد میں اس نے خلوص نیت کے ساتھ توبہ کر لی تو اس سے حد قذف تو ساقط نہیں ہوگی البتہ فسق کے سبب قیامت کے دن دی جانے والی سزا معاف ہو جائے گی لیکن اس کے باوجود احناف کے نزدیک وہ مردود الشہادۃ ہی رہے گا۔

حد قذف قرآنِ پاک کی عبارۃ النص سے ثابت ہے اور خلفاء راشدین کا عمل اس کے عین مطابق تھا جیسا کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت مغیرہ بن شعبہ کے خلاف دعویٰ زنا دائر کیا گیا اور اس پر بطور گواہ ابوبکرہ، نافع اور شبل بن معبد پیش ہوئے مگر جب چوتھے گواہ زیاد کی باری آئی تو اس نے عینی شہادت دینے سے انکار کر دیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پہلے تینوں کو حد قذف لگائی اور کسی صحابی نے اس کا انکار نہ کیا۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔

”رَوَی الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَالْبَیْهَقِیُّ وَاَبُوْ نَعِیْمٍ فِی الْمَعْرِفَةِ وَاَبُوْ مُوْسٰی فِی الدَّلَائِلِ مِنْ طُرُقٍ اَنَّهٗ شَهِدَ عِنْدَ عُمَرَ عَلَی الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ بِالزِّنٰی اَبُوْ بَکْرَةَ وَ نَافِعٌ وَّ شَبْلُ بْنُ مَعْبَدٍ وَلَمْ یُصَرِّحْ بِهٖ زِیَادٌ وَّکَانَ رَابِعَهُمْ فَجَلَّدَ عُمَرُ الثَّلَاثَةَ وَکَانَ بِمَحْضَرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ یُنْکِرْ عَلَیْهِ اَحَدٌ“ (تفسیر مظہری، ج ٦، ص ۴۴۶)

مذکورہ وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ حد قذف قرآن پاک اور اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے پس اس میں نہ تو کسی کو ترمیم کا اختیار ہے اور نہ بذریعہ قیاس یہ حد کسی اور تہمت کے سبب جاری کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۔ حد سرقہ:

پروردگار عالم نے اپنی مقدس کتاب میں کئی مرتبہ بندوں کو مختلف ذرائع کے ساتھ حلال روزی کمانے کی ترغیب دی ہے، لہٰذا جو انسان انتہائی مشقت اور محنت کے ساتھ مال کماتا ہے، اسے ہی یہ حق بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہی اس سے نفع حاصل کرے، کسی اور کے لئے قطعاً یہ جائز نہیں کہ

اس کی اجازت کے بغیر مال اٹھالے اور اپنی مرضی سے اس میں تصرف کرنے لگے، ایسا کرنا ظلم عظیم ہے۔ اسی لئے خالق کائنات نے مال چوری کرنے والے کے لئے سزا خود متعین فرمائی اور کسی کو اس میں کمی وبیشی کا اختیار نہیں دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o "(المائدہ: ۳۸، پ ۶)

(اور چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ جو انہوں نے کیا اس کا بدلہ دینے کے لئے ان کے ہاتھ کاٹو (اور) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے)۔

اس ارشاد ربانی سے معلوم ہوا کہ جو بھی چوری کرے گا بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تاکہ وہ دوسروں کیلئے بھی باعث عبرت بن جائے۔ آیت طیبہ میں لفظ سارق استعمال ہوا ہے جو "سَــرَقَةٌ" سے مشتق ہے اور سرقہ کا لغوی معنی یہ ہے:

"اَخْـذُ الشَّـىْءِ خُـفْيَةً بِـغَيْـرِ اِذْنِ صَاحِبِهٖ مَالًا كَانَ اَوْ غَيْرَهٗ "(عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۷۷)

(مالک کی اجازت کے بغیر چھپ کر کوئی چیز لے لینا چاہے وہ مال ہو یا کوئی اور ہو)۔

شرعی مفہوم:

"هِىَ اَخْـذُ مُـكَـلَّفٍ خُـفْيَةً قَـدْرَ عَشْـرَةِ دَرَاهِـمَ مَضْرُوْبَةً مُحْرَزَةً بِمَكَانٍ اَوْ حَافِظٍ"(عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۷۷، کنز الدقائق، ص ۱۹۱)

(سرقہ سے مراد کسی مکلف آدمی کا دس صحیح دراہم کی مقدار مال چھپ کر اٹھا لینا ہے درآنحالانکہ وہ کسی مکان میں محفوظ ہو یا کسی محافظ کی حفاظت میں ہو)

اس تعریف میں غور کرنے سے سارق کا مفہوم یہ بنتا ہے:

"اَلسَّـارِقُ عِـنْـدَالْـعَـرَبِ هُـوَ مَـنْ جَآءَ مُسْتَتِرًا اِلٰى حِرْزٍ فَاَخَذَ مِنْهُ مَالَيْسَ لَهٗ"(قرطبی، مظہری، ج ۳، ص ۹۵، ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۴۶۷)

(اہل عرب کے نزدیک سارق وہ ہوتا ہے جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں)۔

سرقہ اور سارق کی تعریف میں غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سارق پر قطع ید کی سزا کے نفاذ کے لئے اس میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) وہ بالغ ہو، (۲) عاقل ہو، (۳) کسی اعتبار سے مال مسروقہ کے کل یا جز کا مالک نہ ہو، (۴) احناف کے نزدیک مال مسروقہ کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ جیسا کہ اس شرط کے بارے میں امام نووی شرح مسلم میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ اَصْحَابُهٗ لَا تُقْطَعُ اِلَّا فِيْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ اَوْ مَا قِيْمَتُهٗ ذَالِكَ" (مسلم شریف، ج ۲، ص ۶۴)

اسی طرح شرح وقایہ میں ہے:

"وَنِصَابُهَا قَدْرُ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۳۱۵)

(کہ سرقہ کا نصاب دس درہم کی مقدار ہے) هکذا فی کنز الدقائق۔

۵۔ مال مسروقہ محفوظ مکان میں ہو یا اس کی حفاظت کے لئے محافظ موجود ہو۔ علاوہ ازیں بھی متعدد شرائط کتب فقہ میں بالتفصیل موجود ہیں۔

مذکورہ تمام شرائط کے ہوتے ہوئے جب دو گواہوں کی شہادت سے سارق کے خلاف دعویٰ ثابت ہو جائے تو اس کے لئے قطع ید کا حکم دیا جائے گا حد ثابت ہو جانے کے بعد اسے معاف کرنے کا اختیار کسی کو حاصل نہیں بلکہ قاضی پر اس کا نفاذ لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت سے ثابت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فاطمہ مخزومیہ کے لئے چوری کے عوض قطع ید کا حکم ارشاد فرمایا تو اس کے اہل خانہ حضرت اسامہ بن زید کے پاس حاضر ہوئے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں سفارش کی التجاء کی جب حضرت اسامہ نے بارگاہ نبوت میں التجاء کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يَا اُسَامَةُ لَا اَرَاكَ تُكَلِّمُنِيْ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ."

(اے اسامہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تو میرے ساتھ اللہ کی حدود میں سے کسی کے متعلق سفارش کرے)۔

"ثُمَّ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا فَقَالَ اِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِاَنَّہٗ اِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْہُ وَاِذَا سَرَقَ فِیْھِمُ الضَّعِیْفُ قَطَعُوْہُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ کَانَتْ فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) لَقَطَعْتُ یَدَھَا فَقَطَعَ یَدَالْمَخْزُوْمِیَّۃِ"

(مظہری، ج ۳، ص ۹۶، مسلم، ج ۲، ص ۶۴)

(پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی طاقتور چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر اس کی جگہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا پھر مخزومیہ کا ہاتھ کاٹ دیا)۔

سارق کا ہاتھ کاٹنے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جیسا کہ امام نووی فرماتے ہیں: "قَدْ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی قَطْعِ السَّارِقِ" (مسلم، ج ۲، ص ۶۳)

مذکورہ وضاحت سے یہ ثابت ہوا کہ قطع ید کی حد نص قرآنی، سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے لہٰذا قیاس کے ذریعے اس میں تغیر وتبدل کا کسی کو اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی بذریعہ قیاس سارق کے علاوہ غاصب اور نباش وغیرہ پر یہ حد جاری کی جاسکتی ہے۔

۴۔ حد شرب:

عقل اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمت ہے جس کے بغیر انسان بیکار محض ہے کیونکہ انسان اپنے تمام تر امور معاش عقل کے بل بوتے پر ہی سرانجام دیتا ہے اور حسن وقبح کا شعور بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا وہ اشیاء جو اس نعمت عظمیٰ کے سلب کا سبب بنیں شریعت اسلامیہ میں ان کا استعمال قطعاً حلال نہیں ہوسکتا ان میں سب سے زیادہ مضر خمر (شراب) ہے اس کا استعمال نزول قرآن کے وقت عرب معاشرے میں عام تھا۔ رب قدوس کو قطعاً یہ گوارہ نہ تھا کہ اس کے بندے عقل جیسی عظیم نعمت کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک کریں اس لئے تدریجاً شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا۔

☆ فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد مجلّہ ☆

ایک دن حضرت فاروق اعظم اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شراب کے متعلق حکم ارشاد فرمائیے: "فَاِنَّهَا مُذْهِبَةٌ لِلْعَقْلِ وَمُسْلِبَةٌ لِلْمَالِ" (بے شک یہ عقل کو زائل کرنے والی اور مال کو ضائع کرنے والی ہے)۔ تو اس وقت رب العالمین نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

"يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ط وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط" (البقرة:۲۱۹، پ۲)

(وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے پوچھتے ہیں آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ فائدے سے بہت بڑا ہے)۔

اس حکم کے بعد بعض شریف طبائع نے اس سے نجات حاصل کر لی پھر ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے صحابہ کرام کو کھانے پر دعوت دی اور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا ابھی وہ اس کے نشے میں جھوم ہی رہے تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہوگیا، ان میں سے ایک مصلی امامت پر کھڑا ہوا اور سورۂ کافرون کی تلاوت کرتے ہوئے "لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" کی بجائے "اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" پڑھ دیا پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ الاٰية" (النساء:۴۳، پ۵)

(اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو)۔

اس ارشاد گرامی کے بعد ان کا معمول یہ بنا کہ وہ صرف رات کے وقت عشاء کی نماز کے بعد اور صبح فجر کی نماز کے بعد شراب پیتے تھے۔ مگر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت عتبان بن مالک نے ایک دعوت کا انتظام کیا، کھانے کے بعد جامِ شراب گردش میں آیا اور حاضرین کو خمار آنے لگا اور اسی مدہوشی کی کیفیت میں اپنے اپنے قبیلوں کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے اسی دوران کسی نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا یہ سن کر ایک انصاری اٹھا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اس کے سر پر دے ماری اور سر پھوڑ دیا، جب یہ شکایت بارگاہِ رسالت میں کی گئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

خداوندی میں التجاء کی "اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا" (اے اللہ! شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما) تو پھر یہ حتمی حکم نازل ہوا:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ "(المائدہ: ۹۰، پ ۷)

(اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں، سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پا جاؤ)

اسی واضح حکم کے ساتھ شراب کلیۃً حرام ہوگئی اور اس کا استعمال ممنوع ہوگیا۔

لفظ خمر کا مفہوم:

آیت طیبہ میں لفظ خمر استعمال ہوا ہے اس کا معنی یہ ہے:

"اَلْخَمْرُ كُلُّ شَرَابٍ مُّسْكِرٍ وَهٰذِهِ التَّسْمِيَةُ لُغْوِيَّةٌ وَّشَرْعِيَّةٌ"

(ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۵۰۸)

ہر مدہوش کر دینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں اور یہی اس کا لغوی اور شرعی معنی ہے۔

"وقال الجمهور "اسم الخمر لغة" لكل ما خامر العقل"

(مظہری، ج ۱، ص ۲۶۵)

(جمہور کا قول ہے کہ خمر سے مراد لغۃً ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے)

اور علامہ پانی پتی اپنی تحقیق میں بیان فرماتے ہیں:

"وَالتَّحْقِيْقُ عِنْدِيْ اَنَّ الْخَمْرَ لَفْظٌ مُّشْتَرَكٌ بَيْنَ الْخَاصِ وَالْعَامِ اِمَّا حَقِيْقَةً وَاِمَّا لِعُمُوْمِ الْمَجَازِ وَالْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ هُوَ الْمُعْنَى الْاَعَمُّ"

(میری تحقیق یہ ہے کہ لفظ خمر عام اور خاص معنی کے درمیان مشترک ہے خاص معنی میں اس کا استعمال حقیقت ہے اور عام میں مجاز ہے اور آیت طیبہ میں اس سے مراد عام معنی ہے)۔

"وَقَالَ صَاحِبُ الْقَامُوْسِ "اَلْخَمْرُ مَا اَسْكَرَ مِنْ عَصِيْرِ الْعِنَبِ اَوْ

☆امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی☆

عَامٍ وَالْعُمُوْمُ اَصَحُّ"

(خمر سے مراد یا تو مدہوش کر دینے والی انگوری شراب ہے یا پھر کوئی بھی نشہ لانے والی شئی عام معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے)۔

مذکورہ وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ خمر سے مراد صرف انگور سے کشید کی ہوئی شراب نہیں بلکہ ہر وہ شئی ہے جو نشہ کی کیفیت طاری کر دے اس معنی کی تائید حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے:

"عَنْ نُعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَّكُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ" (رواہ مسلم)

(نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نشہ آور شئی حرام ہے اور ہر نشہ والی شئی خمر ہے)۔

شراب کا حکم:

جب یہ ثابت ہو چکا کہ خمر کا اطلاق ہر نشہ آور مشروب پر ہوتا ہے اور اس کے نجس اور حرام ہونے کا قطعی حکم قرآن پاک کی عبارۃ النص سے ثابت ہے تو اس کے باوجود جس نے شراب پی اسے شرعی حد لگائی جائے گی۔ جیسا کہ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں:

"اِذَا ثَبَتَ اَنَّ اِسْمَ الْخَمْرِ تَعُمُّ الْاَشْرِبَةَ الْمُسْكِرَةَ فَثَبَتَ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ اَنَّ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ وَّ نَجَسٌ فَيُحَدُّ شَارِبُهٗ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَ" (مظہری، ج۱،ص۲۶۶)

اور امام نوی فرماتے ہیں:

"وَاَمَّا الْخَمْرُ فَقَدْ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى تَحْرِيْمِ شُرْبِ الْخَمْرِ وَاجْمَعُوْا عَلٰى وُجُوْبِ الْحَدِّ عَلٰى شَارِبِهَا سَوَآءٌ شَرِبَ قَلِيْلًا اَوْ كَثِيْرًا" (شرح صحیح مسلم، ج۲،ص۷۱)

(شراب پینے کی حرمت پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے اور شراب پینے والے پر حد کے وجوب پر بھی اجماع ہے چاہے وہ کم پئے یا زیادہ)۔

اسی طرح شرح وقایہ میں موجود ہے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

"اِنَّ حَدَّ الشُّرْبِ اِنَّمَا يَثْبُتُ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ"

(شرح وقایہ، ج ۲، ص ۳۰۰)

(بے شک شراب کی حد اجماع صحابہ سے ثابت ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ شراب پینے والے کی سزا حد ہے اور اس پر اجماع امت ہے)۔

حد شرب کے ثبوت کی شرائط:

حد شرب کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ "كَوْنُ رِيْحِ الْخَمْرِ مَوْجُوْدًا فِيْ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ" (شراب پینے والے کے منہ میں اس کی بو کا موجود ہونا)۔

۲۔ "وُجُوْدُ السُّكْرِ فِيْ غَيْرِ الْخَمْرِ مِنَ الْاَشْرِبَةِ الْمُحَرَّمَةِ" (خمر کے علاوہ کوئی اور حرام مشروب پینے کی صورت میں نشہ کا موجود ہونا)۔

۳۔ "شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ اَوْ اِقْرَارُ الشَّارِبِ مَرَّةً وَّاحِدَةً" (دو مردوں کا شہادت دینا یا پینے والے کا ایک بار اقرار کرنا)۔

۴۔ "اَنْ يَّكُوْنَ شُرْبُهٗ طَوْعًا لِاَنَّ الشُّرْبَ مُكْرَهًا لَا يُوْجِبُ الْحَدَّ" (اپنی رضامندی (پسند) کے ساتھ شراب پیا کیونکہ اگر اسے بالاکراہ پلائی گئی تو پھر حد واجب نہیں ہوگی)۔

۵۔ "اَنْ يَّكُوْنَ صَاحِيًا مِّنَ السُّكْرِ لِيُفِيْدَ الضَّرْبُ فَائِدَةً" (حد لگاتے وقت شرابی کا نشہ سے صحیح ہونا تاکہ ضرب اس کے لئے نفع مند ثابت ہو) (حاشیہ کنز الدقائق، ص ۱۸۷)

مذکورہ شرائط میں سے کسی کی عدم موجودگی میں حد جاری نہیں کی جا سکتی۔

حد شرب کی مقدار:

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس زمانہ میں شراب پینے والے کو کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں کے ساتھ سزا دی جاتی تھی اور خلیفہ رسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شرابی کو چالیس درے لگائے جاتے تھے جیسا کہ روایت موجود ہے۔

"عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابو زرعہ)

ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ بِالْجَرِیْدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَّدَ اَبُوْ بَکْرٍ اَرْبَعِیْنَ"

(عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۶۶)

اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر احباب نے کہا ہے:

"اِنَّ حَدَّ السُّکْرَانِ اَرْبَعُوْنَ سَوْطًا"

(کہ بے شک نشے والے کی حد چالیس درے ہے)۔

مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایسا واقعہ پیش آیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر ان سے رائے طلب کی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اخف الحدود (حدقذف) کے مطابق اسی دروں کا مشورہ دیا لہٰذا آپ نے اسی دروں کا حکم صادر کر دیا۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَلَمَّا کَانَ عُمَرُ اِسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ أَخَفُّ الْحُدُوْدِ ثَمَانِیْنَ فَاَمَرَ بِہٖ عُمَرُ" (شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۷۱)

اسی سلسلہ کی دوسری روایت اس طرح ہے:

"فَقَالَ عُمَرُ مَا ذَا تَرَوْنَ فَقَالَ عَلِیٌّ اِذَا شَرِبَ سَکَرَ وَ اِذَا سَکَرَ ھٰذٰی وَ اِذَا ھٰذٰی اِفْتَرٰی وَعَلَی الْمُفْتَرِیْ ثَمَانُوْنَ جَلْدَۃً فَاَمَرَ عُمَرُ فَجَلَّدَہٗ ثَمَانِیْنَ اَیْ حَدُّ السُّکْرَانِ ثَمَانِیْنَ سَوْطًا" (عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۶۶، شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۹۹، کنز الدقائق بحوالہ دارقطنی، ص ۱۸۷)

(حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا شرابی کی سزا کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جب وہ شراب پیتا ہے تو نشے میں ہو جاتا ہے، اور جب نشے میں ہوتا ہے تو ہذیان (بکواسات) بکتا ہے، اور جب ایسا کرتا ہے تو وہ افترا (جھوٹی تہمت) باندھتا ہے اور مفتری کی سزا اسی (۸۰) درے ہے)۔

اسی پر تمام صحابہ نے اجماع کیا اور یہی اجماع احناف کے نزدیک شرابی کی حد اسی درے ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَنَقَلَ الْقَاضِیْ عَنِ الْجُمْھُوْرِ مِنَ السَّلَفِ وَالْفُقَھَآءِ مِنْھُمْ مَالِکٌ

وَاَبُو حَنِیفَةَ وَالْاَوْزَاعِیُ وَالثَّوْرِیُ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّهُمْ قَالُوْا حَدُّهُ ثَمَانُوْنَ وَاحْتَجُّوا بِاَنَّهُ الَّذِی اِسْتَقَرَّ عَلَیْهِ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ "(شرح مسلم، ج ۲،ص ۷۱)

(قاضی عیاض نے جمہور اسلاف اور فقہاء جن میں امام مالک، امام ابوحنیفہ، اوزاعی، ثوری، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں سے نقل کیا ہے کہ ان تمام نے کہا کہ شراب کی حد اسی (۸۰) درے ہے اور انہوں نے استدلال اس عمل سے کیا ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے)

اور علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

"وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُ وَالشَّعْبِی وَاَبُو حَنِیْفَةَ وَمَالِکٌ وَاَبُو یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ فِی رِوَایَةٍ ثَمَانُوْنَ سَوْطًا وَرُوِیَ ذَالِکَ عَنْ عَلِیّ وَخَالِدِ بْنِ وَلِیْدٍ وَ مَعَاوِیَةَ بْنِ اَبِی سُفْیَانَ قَالَ اَبُو عُمَرَ الْجَمْهُوْرُ مِنْ عُلَمَآءِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ عَلٰی اَنَّ الْحَدَّ فِی الشُّرْبِ ثَمَانُوْنَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِکٍ وَالثَّوْرِیُ وَالْاَوْزَاعِیُ وَعُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ وَالْحَسَنِ بْنِ حَیّ وَاِسْحَاقَ وَاَحْمَدَ وَهُوَ اَحَدُ قَوْلَیِ الشَّافِعِیُ وَقَالَ اِتَّفَقَ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ فِی زَمَنِ عُمَرَ عَلَی الثَّمَانِیْنَ فِی حَدِّ الْخَمْرِ وَلَا مُخَالِفَ لَهُمْ مِنْهُمْ وَعَلٰی ذَالِکَ جَمَاعَةُ التَّابِعِیْنَ وَجُمْهُوْرُ فُقَهَآءِ الْمُسْلِمِیْنَ "(عمدۃ القاری، ج ۲۳،ص ۲۶۶)

(حضرت امام حسن بصری، شعبی، ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رضی اللہ عنہم نے فرمایا اور امام احمد کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ شراب کی حد اسی درے ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید اور معاویہ بن ابی سفیان سے بھی یہی مروی ہے ابو عمر نے کہا کہ جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک شراب کی حد اسی درے ہے یہی قول امام مالک، ثوری، اوزاعی، عبیداللہ بن حسن، حسن بن حی، اسحاق اور احمد رحمہم اللہ علیہم کا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

کے زمانہ خلافت میں شراب کی حد اسی درے ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے اور کسی صحابی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور اسی کے مطابق جمیع تابعین اور جمہور فقہاء کا عمل ہے)۔

مذکورہ حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ شراب کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور حد شرب اجماع صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ لہٰذا بعد ازاں کسی کو بذریعہ قیاس کمی وبیشی کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی کسی اور جرم کے لئے یہ حد نافذ کرنے کا اختیار ہے۔

نوٹ:

حدود کی مذکورہ بالا تمام مباحث میں غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بذریعہ قیاس ثابت نہیں بلکہ پہلی تین قرآن پاک، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہیں اور چوتھی صرف اجماع سے ثابت ہے۔ ان تمام سے حاصل ہونے والی دلیل قطعی ہوتی ہے اور تمام شکوک وشبہات سے پاک ہوتی ہے۔ لہٰذا ان حدود کے علاوہ کسی جرم کے لئے بذریعہ قیاس کوئی سزا بطور حد جاری نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ قیاس سے حاصل ہونے والی دلیل قطعی نہیں بلکہ ظنی ہوتی ہے اور شک وشبہ سے خالی نہیں ہوتی اور جو دلیل شبہ سے پاک نہ ہو اس سے حد ثابت نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قاعدہ نمبر ۷۷:

"اَلْحُدُوْدُ تُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ" (حدود شبہات سے ساقط کر دی جاتی ہے)

حد کی تعریف:

"اَلْحُدُوْدُ جَمْعُ حَدٍّ وَّهُوَ الْمَنْعُ لُغَةً"

(حدود حد کی جمع ہے اور اس کا لغوی معنی روکنا ہے)

وَفِیْ الشَّرْعِ "اَلْحَدُّ عَقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی"

(عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص ۲۶۴)

(اور شریعت میں حد سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کی گئی ہو)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

مذکورہ قاعدہ کے مطابق حد کے نفاذ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ شبہات سے خالی ہو۔

اس قاعدہ کے متعلق علامہ ابن ہمام "فتح القدیر" میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "دَرْءُ الْحَدِّ بِالشُّبْهَةِ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ" (شبہ کے ساتھ حد کا ساقط ہونا مجمع علیہ (متفقہ) امر ہے)۔

اس اصول کی تائید متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ "عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْرِءُ الْحُدُوْدَ بِالشُّبْهَاتِ" (مسند امام اعظم مترجم، ص ۲۵۶)
(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہات سے حدود کو دور کردو)۔

۲۔ "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِدْفَعُوْا الْحُدُوْدَ عَنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَا وَجَدْتُّمْ لَهُ مَدْفَعًا" (رواہ ابن ماجہ)
(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں سے حدود دور کرو جب تک تم دور کرنے کا راستہ پاؤ)۔

۳۔ "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ وَجَدْتُّمْ لِلْمُسْلِمِ مَخْرَجًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ" (رواہ الترمذی)
(حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں سے حدود دور کردو پس اگر تم کسی مسلمان کیلئے حد سے نکلنے کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو بیشک امام کیلئے معاف کرنے میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے)۔

شبہ کی تعریف:

"اَلشُّبْهَةُ مَا يُشْبِهُ الثَّابِتَ وَلَيْسَ بِثَابِتٍ فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ"

(شبہ سے مراد وہ شئے ہے جو ثابت ہونے والی شئے کے مشابہ ہو اور فی الحقیقت ثابت نہ ہو) (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۳، کنزالدقائق، ص ۱۸۲، مظہری، ج ۶، ص ۴۳۳)

شبہ کی اقسام:

شبہ کی تین قسمیں ہیں: پہلی دو متفق علیہ ہیں اور تیسری مختلف فیہ ہے۔

(۱) شبہ فی الفعل، (۲) شبہ فی المحل، (۳) شبہ فی العقد۔

نوٹ: شبہ کی یہ تینوں قسمیں حد زنا سے متعلق ہیں۔

ا۔ شبہ فی الفعل کی تعریف:

"اَلشُّبْهَةُ فِیْ الْفِعْلِ هِیَ اَنْ یَّکُوْنَ وَقَعَ لِلْوَاطِیْ اِشْتِبَاهٌ فِیْ حُرْمَةِ الْفِعْلِ اَیْ نَفْسِ الْوَطْیِ" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۳)

(شبہ فی الفعل سے مراد یہ ہے کہ واطی کے لئے حرمت فعل (نفس وطی کے حرام ہونے) میں اشتباہ پیدا ہو جائے)

تو اس سے معلوم ہوا کہ شبہ کی اس قسم کا تعلق فعل وطی سے ہے نہ کہ محل وطی سے، بلکہ محل وطی کا حرام ہونا واطی کے نزدیک بالیقین ثابت ہوتا ہے۔

شبہ فی الفعل کا ثبوت:

"یَثْبُتُ بِظَنِّ غَیْرِ الدَّلِیْلِ دَلِیْلاً" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۳)

(یہ شبہ غیر دلیل کو دلیل بنانے سے ثابت ہو جاتا ہے)۔

یعنی یہ شبہ ایسے آدمی کے حق میں متحقق ہوتا ہے جس پر فعل کی حلت وحرمت مشتبہ ہو جائے اور ایسی دلیل موجود نہ ہو جو اس فعل کی حلت کا فائدہ دیتی ہو بلکہ اس نے ایسی شئے کو دلیل گمان کیا ہو جو درحقیقت دلیل نہ بن سکتی ہو اس شبہ کو شبہۃ الاشتباہ بھی کہتے ہیں۔

نوٹ: اس شبہ میں حلت کا گمان ضروری ہے ورنہ یہ ثابت نہیں ہوگا۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

مثالیں:

۱۔ ایسی عورت جو تین طلاقوں کی عدت گزار رہی ہو اگر دوران عدت مرد نے اس گمان کے ساتھ وطی کر لی کہ ابھی تک حقوق نکاح باقی ہیں یعنی جس طرح اس کا نفقہ لازم ہے دوران عدت وہ کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی اور عدالت میں اس کی شاہد نہیں بن سکتی اسی طرح ابھی وطی کرنے کا حق بھی باقی ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، مگر اس کے برعکس اگر اسے وطی کے حرام ہونے کا یقین ہو تو پھر اس پر حد جاری کی جائے گی یعنی یہ کہا "عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ فَوَجَبَ الْحَدُّ"

۲۔ ایسی عورت جس نے مال کے عوض طلاق لی ہو یعنی خلع کیا ہو اور مذکورہ گمان کے ساتھ ہی مرد نے دوران عدت اس سے وطی کی تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

۲۔ شبہ فی المحل کی تعریف:

"هِيَ اَنْ يَّكُوْنَ وَقَعَ لِلْوَاطِئِ اِشْتِبَاهٌ فِيْ حُرْمَةِ الْمَحَلِّ بِقِيَامِ دَلِيْلٍ نَافٍ لِلْحُرْمَةِ ذَاتًا" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۵)

(شبہ فی المحل سے مراد یہ ہے کہ واطی کے لئے محل وطی کی حرمت میں ایسی دلیل کے سبب شبہ پیدا ہو جائے، جو ذاتی طور پر حرمت محل کے منافی ہو)۔

اس شبہ کا دوسرا نام شبہ حکمیہ ہے یعنی ایسا شبہ جو حکم شرعی سے ثابت ہوتا ہے۔

اس شبہ کی بناء پر حد ثابت نہیں ہوتی اگرچہ واطی یہ اقرار بھی کر رہا ہو کہ میں جانتا تھا وہ مجھ پر حرام ہے یعنی یہ کہے "عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ" "لِاَنَّ الْمَانِعَ هُوَ الشُّبْهَةُ فِيْ نَفْسِ الْحُكْمِ" (فقہ الاسلام) (کیونکہ نفس حکم میں شبہ حد جاری کرنے کے مانع ہے)۔

مثالیں:

۱۔ ایسی عورت جو الفاظ کنایہ سے ہونے والی طلاق بائنہ کی عدت گزار رہی ہو اگر مرد نے دورانِ عدت اس سے وطی کر لی تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مابین اس طلاق کے حکم میں اختلاف ہے۔

"فَمَذْهَبُ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهَا رَجْعِيَّةٌ فَلاَ يَزُوْلُ مِلْكُ الزَّوْجِ عَنْهَا فَاَوْرَثَ شُبْهَةً وَّاِنْ كَانَ الْمُخْتَارُ قَوْلَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ اَنَّ الطَّلاَقَ بِالْكِنَايَاتِ بَائِنٌ" (حاشیہ کنز، ص۱۸۲)

(حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے اور زوج کی ملکیت اس سے زائل نہیں ہوتی پس اس نے شبہ پیدا کر دیا اگرچہ مختار قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے کہ الفاظ کنایات سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے)۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذکورہ اختلاف محل شبہ کی دلیل ہے اس لئے واطی کے حرمت کا اقرار کرنے کے باوجود اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

۲۔ "مَنْ زُفَّتْ اِلَيْهِ غَيْرُ اِمْرَأَتِهٖ فِيْ اَوَّلِ وَبْلَةٍ وَقَالَتِ النِّسَآءُ اِنَّهَا زَوْجَتُكَ لاَ حَدَّ عَلَيْهِ اِجْمَاعًا وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ قَضٰى بِذٰالِكَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ" (مظہری، ج ۲، ص۴۳۲، کنز الدقائق، ص۱۸۳)

(اگر کسی مرد کے ساتھ اس کی بیوی کے سوا کسی دوسری عورت نے شب زفاف بسر کی اور مرد نے اس سے قبل اپنی منکوحہ نہ دیکھی ہو وہاں موجود عورتوں نے کہا یہی تمہاری بیوی ہے تو بالاجماع وطی کے سبب اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور اس پر مہر واجب ہوگا)۔

اسی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا۔ اس مسئلہ میں عورتوں کی خبر شبہ فی المحل کی دلیل ہے کیونکہ انسان پہلی بار اپنی منکوحہ اور غیر کے درمیان تمیز نہیں کرسکتا پس یہ ایسے شخص کی مثل ہے جسے دھوکہ میں ڈالا گیا ہو۔ مگر اس کے برعکس اگر کسی نے اجنبی عورت کو اپنے بستر پر پایا اور اپنی بیوی ہونے کے گمان سے اس سے وطی کر لی تو یہ گمان شبہ کا سبب نہیں بن سکتا لہٰذا اس پر حد جاری کی جائے گی۔

"لِاَنَّهٗ لَا اِشْتِبَاهَ بَعْدَ طُوْلِ الصُّحْبَةِ فَلَمْ يَكُنْ ظَنُّهٗ مُسْتَنَدًا اِلٰى دَلِيْلِ الشُّبْهَةِ" (کنز الدقائق، ص۱۸۳، مظہری، ج ۶، ص۴۳۲)

(کیونکہ طویل صحبت کے بعد اشتباہ نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کا یہ گمان دلیل شبہ کیلئے کافی نہیں ہے)۔

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابوعبید) ☆☆☆

۳۔شبہ فی العقد :

"هِيَ الشُّبْهَةُ الَّتِيْ وَقَعَتْ فِيْ اِنْعِقَادِ عَقْدِ النِّكَاحِ"

(وہ شبہ جو عقد نکاح کے انعقاد میں واقع ہوتا ہے شبہ فی العقد کہلاتا ہے)۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک شبہ کی یہ قسم ایسی عورتوں سے نکاح میں معتبر ہے جن سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہوتا ہے۔ مثلاً ماں، خالہ اور بہن وغیرہ۔

ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد اگر وطی کی گئی تو امام صاحب کے نزدیک شبہ فی العقد کے سبب حد ساقط ہو جائے گی اگرچہ وہ یہ بھی کہے "عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ"

(شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۸)

اس مسئلہ میں آپ کی تائید حضرت امام زفر اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی کی ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں موجود ہے:

"وَمِنَ الشُّبْهَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَزُفَرَ وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيْ شُبْهَةُ عَقْدٍ فَمَنْ نَكَحَ اِمْرَأَةً لَا يَحِلُّ نِكَاحُهَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ حَدُّ الزِّنٰى عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لٰكِنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْعُقُوْبَةُ الْبَلِيْغَةُ الشَّدِيْدَةُ"

(تفسیر مظہری، ج ۶، ص ۴۳۲)

(امام ابوحنیفہ، زفر اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ کی ایک قسم شبہ فی العقد ہے پس جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح حلال نہیں تو امام صاحب کے نزدیک اس پر حد زنا واجب نہیں ہوگی۔ لیکن اسے شدید ترین سزا دی جائے گی)۔

اسی طرح کنز الدقائق، ص ۱۸۳ اور شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۸ پر بھی موجود ہے۔

اور اس شبہ کی دلیل یہ بیان کی ہے:

"اِنَّ الْعَقْدَ صَادَفَ مَحَلَّهٗ لِاَنَّ مَحَلَّ التَّصَرُّفِ مَا يُقْبَلُ مَقْصُوْدَهٗ وَلْاُنْثٰى مِنْ بَنَاتِ اٰدَمَ قَابِلَةٌ لِلتَّوَالُدِ وَهُوَ الْمَقْصُوْدُ"

(شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۸)

امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے

(بے شک یہ عقد اپنے محل میں واقع ہوئی ہے کیونکہ محل تصرف وہ ہوتا ہے جو اپنے مقصود کو قبول کرتا ہے اور بنات آدم میں سے تمام عورتیں بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتی ہیں اور عقد نکاح سے بھی یہی مقصود ہے)۔

"فَكَانَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّنْعَقِدَ فِيْ حَقِّ جَمِيْعِ الْأَحْكَامِ اِلَّا اَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ اِفَادَةِ حَقِيْقَةِ الْحِلِّ فَيُوْرِثُ الشُّبْهَةَ" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۸)

(پس چاہئے تو تھا کہ اس کے جمیع احکام منعقد ہو جاتے مگر یہ عقد ایسی عورتوں کی حلت کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے اس نے شبہ پیدا کر دیا ہے)۔

اسی طرح تفسیر مظہری، ج ۶، ص ۴۳۳ پر بھی مذکور ہے۔ مگر اس کے برعکس صاحبین اور دیگر آئمہ ثلاثہ کا مؤقف یہ ہے کہ اگر واطی نے کہا مجھے اس کی حرمت کا علم تھا مگر حلت کے شبہ میں وطی کی تو اسے ضرور حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہ عورتیں جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ وہ محل عقد بن ہی نہیں سکتیں، اس لئے یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، تو پھر شبہ کا سوال کیسا؟ گویا یہ ایسے ہی ہے کہ عقد نکاح کے بغیر ہی اس نے وطی کی اس لئے اسے ضرور حد لگائی جائے گی، اور اگر عقد میں شبہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی محرمات سے وطی کرنا زنا سے زیادہ غلیظ اور صبیح عمل ہے۔ اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ زنا کی حد ضرور جاری کی جائے۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

"وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ يَجِبُ عَلَيْهِ حَدُّ الزِّنٰى اِنْ كَانَ عَالِمًا بِذَالِكَ لِاَنَّهُ وَطِئَ فِيْ فَرْجٍ مُجْمَعٌ عَلٰى تَحْرِيْمِهٖ مِنْ غَيْرِ مِلْكٍ وَلَا شُبْهَةِ مِلْكٍ وَالْوَاطِئُ اَهْلٌ لِلْحَدِّ عَالِمٌ بِالتَّحْرِيْمِ فَيَجِبُ الْحَدُّ كَمَا لَوْ لَمْ يُوْجَدِ الْعَقْدُ اِذِ الْعَقْدُ لَيْسَ لِشُبْهَةٍ لِاَنَّهُ لَمْ يُصَادِفْ مَحَلَّهُ لِاَنَّهُ فِيْ نَفْسِهٖ خِيَانَةٌ يُوْجِبُ عُقُوْبَةً اِنْضَمَّتْ اِلٰى زِنًى فَلَمْ يَكُنْ شُبْهَةٌ كَمَا لَوْ اَكْرَهَهَا وَعَاقَبَهَا وَزَنٰى بِهَا وَلَوْ سَلَّمْنَا اَنَّ الْعَقْدَ شُبْهَةٌ وَالْوَطْئُ بِالشُّبْهَةِ لَمْ يَكُنْ زِنًى فَهُوَ اَغْلَظُ عَنِ الزِّنٰى فَاَحْرٰى اَنْ يَجِبَ فِيْهِ مَا يَجِبُ فِي الزِّنٰى"

(حضرات امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر حد زنا واجب ہوگی بشرطیکہ وہ اس کی حرمت کو جانتا ہو۔ کیونکہ

اس نے ایسی فرج میں وطی کی ہے جس کی حرمت پر ملکیت یا شبہ ملکیت نہ ہونے کے سبب اجماع ہے اور واطی حد کے قابل ہے، حرمت کو جانتا ہے تو حد ضرور ثابت ہوگی۔ یہ اس طرح ہے گویا کہ عقد پایا ہی نہیں گیا جبکہ اس عقد میں شبہ بھی نہیں کیونکہ یہ اپنے محل میں واقع ہی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ فی نفسہٖ خیانت ہے جو زنا کی مثل ہونے کے سبب سزا کو واجب کرتی ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی طرح ہی ہے جیسا کہ اس نے عورت کو مجبور کیا اسے سزا دی اور اس کے ساتھ زنا کیا۔ اور اگر ہم عقد میں شبہ تسلیم بھی کر لیں اور کہیں کہ وطی بالشبہ زنا نہیں ہوتی تو پھر بھی یہ وطی زنا سے زیادہ غلیظ ہے، اور اس پر زنا کی سزا دینا زیادہ مناسب ہے)۔

اسی طرح کا حکم کنز الدقائق، ص ۱۸۳، اور شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۸ پر بھی موجود ہے۔

مذکورہ اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک محرمات سے نکاح اپنے محل میں واقع ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک محلیت سے مراد حلت کو قبول کرنا نہیں بلکہ عقد کے مقاصد کو قبول کرنا ہے اور یہ عقد میں ثابت ہوتے ہیں جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ عقد اپنے محل میں واقع نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک محل عقد وہ ہوسکتا ہے جو عقد کا حکم قبول کرتا ہو اور عقد کا حکم حلت ہے جبکہ یہ عورتیں تمام حالات میں حرام ہوتی ہیں اس لئے اس میں صورۃ عقد تو ثابت ہے مگر انعقاد عقد ثابت نہیں۔ (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۲۸۸)

اس اختلاف میں فقیہ ابواللیث نے صاحبین کا قول اختیار کیا ہے۔

"وَفِيْ الْخُلاَصَةِ الْفَتْوىٰ عَلىٰ قَوْلِهِمَا"

(اور خلاصہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے)۔

اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ شبہ کا ثبوت من وجہ حلت کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ یہ شبہ یقیناً شبہ فی المحل ہے لیکن محل کی حلت کسی بھی اعتبار سے ثابت نہیں۔ (شرح وقایہ)

۲۔ حد سرقہ میں شبہ کی صورتیں:

اگر بیٹا یا پوتا اپنے باپ یا دادا کا مال چرا لے یا اس کے برعکس باپ، دادا اپنے بیٹے یا

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

پوتے کا مال اٹھا لے تو قطع ید کی حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ" رواہ ابن ماجہ من حدیث جابر، (مظہری، ج ۶، ص ۴۳۱)۔ (تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے)۔

اس حدیث طیبہ سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا نفس اور مال باپ کے لئے ہے اسی طرح پھر باپ کی ہر چیز بیٹے کے لئے ہوگی۔ لہٰذا اگر ان میں سے کسی نے شئے کا مالک ہونے کے شبہ سے وہ اٹھالی تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔

۲۔ اگر زوجین میں سے کسی نے دوسرے کا مال چرا لیا تو اسے قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ عقد نکاح کے سبب عادہ اور دلالۃ ان کا مال مشترک ہے، جسے وہ دونوں استعمال کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ کنز میں ہے:

"اِذَا سَرَقَ الزَّوْجُ مِنْ مَّالِ زَوْجَتِهٖ اَوْ سَرَقَتِ الزَّوْجَةُ مِنْ مَّالِ زَوْجِهَا لَا يُقْطَعُ يَدُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِجَرْيَانِ الْاِنْبِسَاطِ بَيْنَهُمَا فِي الْاَمْوَالِ عَادَةً وَّ دَلَالَةً لِاَنَّ عَقْدَ النِّكَاحِ دَالٌّ عَلَى الْبُسُوْطَةِ"
(حاشیہ کنز الدقائق، ص ۱۹۴)

کتب فقہ میں بہت سی امثلہ موجود ہیں مگر اختصار کے پیش نظر صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۳۔ حد شرب میں شبہ کی صورتیں:

۱۔ اگر کسی نے قئی کی اور اس میں خمر یا دیگر مسکرات خارج ہوئیں تو صرف اس بناء پر اسے حد شرب نہیں لگائی جائے گی بشرطیکہ اس نے شراب پینے کا نہ اقرار کیا ہو اور نہ ہی اس کے خلاف گواہ موجود ہوں کیونکہ اس میں ایک شبہ یہ ہے کہ اسے بالاکراہ پلا دی گئی ہو اور دوسرا شبہ یہ ہے کہ معدہ میں کوئی اور شئے شراب کی شکل اختیار کر چکی ہو۔ اس لئے ان شبہات کے سبب حد جاری نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ شرح قوایہ، ج ۲، ص ۳۰۰ میں موجود ہے:

"تَقَيَّأَ الشَّارِبُ فَخَرَجَ فِيْ قَيْئِهٖ خَمْرًا وَغَيْرُهٗ مِنَ الْمُسْكِرَاتِ وَلَمْ

يُقِرَّ بِهٖ وَلَمْ يَشْهَدْ بِهٖ اَحَدٌ وَاِنَّمَا لَا يُحَدُّ لِاِحْتِمَالِ اَنْ يَكُوْنَ شُرْبُهٗ مُكْرَهًا وَاِحْتِمَالِ اَنْ يَكُوْنَ تَصَوُّرُ شَيْءٍ اٰخَرَ فِيْ مِعْدَتِهٖ بِصُوْرَةِ الْخَمْرِ وَنَحْوِهٖ" (ہکذا فی الکنز، ص ۱۸۷)

۲۔ منہ سے شراب کی بو آنے کے سبب حد شراب جاری نہیں ہو سکتی بشرطیکہ اس نے شراب پینے کا نہ اقرار کیا ہو اور نہ اس کے خلاف شہادتیں موجود ہوں کیونکہ اس میں یہ شبہ ہے کہ کسی اور شئے کی بو شراب کی بو کے مشابہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اچھی اور پاک چیز کی بو خراب اور فاسد ہو چکی ہو جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے:

"فَاِنَّ الرَّائِحَةَ تَشْتَبِهُ بِالرَّائِحَةِ وَقَدْ تَفْسُدُ رَائِحَةُ الْاَشْيَاءِ الطَّيِّبَةِ فَلَا يَكْفِيْ وُجُوْدُ الرَّائِحَةِ لِلْحَدِّ" (شرح وقایہ، ج ۲، ص ۳۰۰)

۴۔ حد قذف میں شبہ کی صورتیں:

۱۔ اگر فاسق گواہوں نے کسی کے خلاف زنا کی شہادت دی تو گواہوں پر حد قذف اور مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی) پر حد زنا نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ان کی شہادت فسق کے سبب ناقص ہے اور مقذوف کو حد زنا نہیں لگائی جائے گی۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے:

"وَلَوْ شَهِدُوْا وَهُمْ فُسَّاقٌ لَمْ يُحَدُّوْا وَلَا يُحَدُّ الْمَقْذُوْفُ لِاَنَّهُمْ مِنْ اَهْلِ الْاَدَاءِ وَالتَّحَمُّلِ لٰكِنْ فِيْ اَدَآئِهِمْ نَوْعُ قُصُوْرٍ لِاَجْلِ الْفِسْقِ فَيَثْبُتُ بِشَهَادَتِهِمْ شُبْهَةُ الزِّنَا فَلَا يُحَدُّوْا حَدَّ الْقَذْفِ وَلَا الْمَقْذُوْفُ حَدَّ الزِّنٰى" (تفسیر مظہری، ج ۶، ص ۴۴۶)

۲۔ اگر کسی سے فعل زنا کا ارتکاب ہوا پھر اس نے توبہ کر لی اور اپنا کردار اعلیٰ بنا لیا کافی عرصہ گزرنے کے بعد کسی نے اس پر زنا کی تہمت لگا دی تو قاذف (تہمت لگانے والا) کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس میں شبہ ہے کہ قاذف نے اسے سابقہ فعل زنا کے سبب ہی سے ایسا کہہ دیا ہو اور وہ اپنے اس قول میں سچا ہو۔ لیکن اس کے باوجود ایسے قاذف کو تعزیر ضرور لگائی جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

(فقہ المعاملات پر اپنی نوعیت کا پہلا علمی و تحقیقی مجلہ آپ کے ہاتھ میں ہے)